محمد حنیف ندوی

تعلیماتِ غزالی

نکاح وتاہل کی ذمہ داریاں بہتر ہیں یا تجرد ویکسوئی

علماء کا اس میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ نکاح وتاہل کی زندگی کا ٹھیک ٹھیک مقام کیا ہے؟ بعض اس کے فضائل اور خوبیوں کے اس درجہ قائل ہیں کہ ان کے نزدیک یہ عبادت الٰہی کی غرض سے یکسو ہو جانے اور مجرد رہنے سے بھی بہتر ہے بعض کا کہنا ہے کہ اس کی فضیلت مسلم مگر یہ خلوت ویکسوئی کی برکات سے بہتر ہرگز نہیں۔ ایک گروہ کا فیصلہ یہ ہے کہ نکاح سے ترک نکاح اولیٰ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ آج کے حالات آنحضرت کے زمانہ کے حالات سے قطعی مختلف ہیں۔ اُس زمانہ میں جب کہ روزی اور معاش کے ذرائع میں باطل وغش کی آمیزش بالکل نہیں تھی۔ اور جب عورتوں کی اخلاقی حالت بھی کہیں بہتر تھی۔ نکاح سے محروم رہنا، اجر وثواب کی بہت بڑی مقدار سے محروم رہنے کے مترادف تھا۔ مگر آج جب کہ اکلِ حلال کی راہیں مسدود ہیں اور جب کہ عورتوں کی مذہبی واخلاقی حالت بھی صد درجہ پست اور خراب ہے نکاح کو افضل ٹھہرانا درست نہیں۔

ان آراءِ مختلفہ میں صحیح رائے کونسی ہے۔ اور کون راہ حق وصواب کی راہ ہے۔ اس کو جاننے سے پہلے قرآن وسنت اور آثار میں جو اس کے متعلقات ہیں ان پر غور کر لینا چاہیئے۔ اور یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ اس سنت میں فوائد وبرکات کا حصہ کتنا ہے۔ اور اس سے کیا کیا نقصان، کیا کیا غوائل اور مفاسد وابستہ ہیں۔ اور پھر آخر میں اس بات کا جائزہ لینا ہوگا کہ کس شخص کے لئے ان غوائل اور مفاسد سے بچ نکلنا آسان ہے، اور کس کے لئے مشکل ہے؟ کیونکہ انہی نکات کی وضاحت پر نکاح کا افضل یا غیر افضل ہونا موقوف ہے۔

پہلے اس کے بارہ میں آیاتِ قرآنی پر نظر ڈالئے:

وانکحوا الایامیٰ منکم۔ اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو

اس میں یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ نکاح کو بصیغہ امر ادا کیا ہے:

فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن۔ تو ان کو دوسرے شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے مت روکو۔

انبیاء ورسل کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے:

ولقد ارسلنا رسلاً من قبلک وجعلنا اور ہم نے تم سے پہلے بھی رسول بھیجے تھے اور بیبیاں اور

لهم ازواجاً وذرّية۔ بھی دی تھی۔

اللہ کے وہ بندے جو ازدواجی زندگی کے رشتوں میں منسلک ہیں ان کی دعاؤں کا انداز کیا ہوتا ہے؟ اس کو یوں بیان فرمایا ہے:

والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین۔ اور وہ جو خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ جتنے بھی پیغمبر اس دنیا میں مبعوث ہوئے ہیں وہ سب کے سب متاہل تھے۔ حضرت یحییٰ نے بھی شادی کی تھی۔ اگرچہ وظیفہ جنسی ادا نہیں کیا۔ اور حضرت مسیح کے بارہ میں احادیث میں آتا ہے۔ کہ جب وہ دوبارہ آئیں گے۔ تو اس پابندی کو قبول فرمائیں گے۔ اور یہ پابندی ان کے لئے باعثِ برکت بھی ثابت ہوگی۔ یعنی صاحبِ اولاد ہونگے۔ احادیث یہ ہیں:

النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فقد رغب عنی۔ نکاح میری سنت ہے۔ اس لئے یاد رہے کہ جس نے اس سے روگردانی اختیار کی اس نے گویا مجھ سے روگردانی اختیار کی۔

التکاح سنتی فمن احب فطرتی فلیستن بسنتی۔[1] نکاح میری سنت ہے۔ سو جس کو میری یہ فطرت پسند ہے اس کو میری اس سنت پر عمل کرنا چاہئے۔

من ترک التزویج مخافۃ العیلۃ فلیس منا۔[2] جو نکاح افلاس کے اندیشے کے پیش نظر نہیں کرتے۔ وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔

حضرت عمر کا قول ہے:

لا یمنع من النکاح الا عجز او فجور۔ نکاح سے دو ہی آدمی باز رہ سکتے ہیں۔ ایک جس کو اس پر قدرت نہ ہو۔ اور ایک جو بد معاش ہو۔

ابن عباس جو صحابی کہا کرتے تھے:

لا یتم نسک الناسک حتی یتزوج۔ عابد و زاہد کا زہد اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ شادی نہ کرے۔

ان کا مقصد غالباً یہ ہے۔ کہ جب تک کسی شخص کی شادی نہ ہو اس کا دل خیالات و شہوات کی اذیتوں سے پاک نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے غلاموں کے بارہ میں بھی ان کا یہی معمول رہا کہ جہاں وہ بالغ ہوئے، ان کو رشتہ

---

[1] مسند ابو یعلیٰ [2] مسند فردوس

ازواج میں منسلک کردیا۔ چنانچہ عکرمہ وکریب کا نکاح ان کے مجبور کرنے سے طے پایا۔

عبداللہ بن مسعود نکاح کو صرف ایک ضرورت ہی تصور نہیں کرتے تھے بلکہ ان کا یہ خیال تھا۔ کہ یہ ایک دینی خدمت بھی ہے۔ اس کی تائید میں ان کا یہ قول ملاحظہ ہو:

لو لم یبق من عمری الا عشرۃ ایام لا احببت ان اتزوج لکیلا القی اللہ عزباً۔

اگر میری زندگی کے دس ہی دن باقی ہوں تب بھی میں شادی کرنا پسند کرونگا تاکہ اللہ سے اس حال میں ملاقات نہ ہو کہ میرے کوئی بیوی نہ ہو۔

معاذ بن جبل کی دو بیویاں تھیں۔ اتفاق سے طاعون کا مرض پھیلا اور ان دونوں کا انتقال ہوگیا۔ وہ خود بھی اسی بیماری کی وجہ سے صاحب فراش ہوئے۔ اور قریب تھا کہ داعی اجل کو لبیک کہیں۔ عین ان لمحوں میں ان کی یہ آرزو تھی۔

زوجونی فانی اکرہ ان القی اللہ عزباً

میرے نکاح کا اہتمام کرو۔ کیونکہ میں اللہ تعالے سے مجرد یا رنڈوے کی حیثیت سے ملنا نہیں چاہتا۔

اس تمنا میں بھی یہی مذہبی روح کارفرما تھی۔ کہ ہر حالت میں ازدواجی زندگی سے دوچار رہنا ضروری ہے سفیان بن عیینہ کہا کرتے تھے:

النساء لیست من الدنیا لان علیا رضی اللہ عنہ کان ازھد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان لہ اربع نسوۃ وسبع عشرۃ سریۃ۔

عورتوں کی کثرت دنیا کے مترادف نہیں ہے۔ کیوں کہ حضرت علی کی جو صحابہ رسول تھے اور زہد و اتقاء کے درجہ قصوی پر فائز تھے چار تو بیویاں تھیں اور کوئی سترہ لونڈیاں تھیں۔

ان کے علاوہ اولیاء وصلحاء کی اچھی خاصی جماعت کا یہ خیال تھا کہ تجرد سے تاہل کی زندگی افضل ہے۔ چنانچہ جب کسی نے ایک مرتبہ ابراہیم ادہم کو ان کے تجرد پر مبارکباد دی۔ اور کہا کہ آپ کو تو خوب تجرد و ازدواج کی لذتوں سے بہرہ مندی کے مواقع حاصل ہیں۔ تو انہوں نے جواب میں کہا:

لروعۃ منک بسبب العیال افضل من جمیع ما انا فیہ۔

اہل وعیال کی وجہ سے اضطراب وخوف کی ایک خلش ان تمام کیفیات پر بھاری ہے کہ جن سے میں گذر رہا ہوں۔

یہ پہلو تو ترغیب نکاح کا تھا۔ اب ترہیب واحتراز کے دلائل ملاحظہ ہوں۔ حدیث میں ہے:

یاتی علی الناس زمان یکون ھلاک الرجل علی ید زوجتہ وابویہ وولدہ یعیرونہ بالفقر ویکلفونہ مالا یطیق فیدخل المداخل التی

ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے جب ایک آدمی اپنی بیوی بچوں اور ماں باپ کے ہاتھوں ہلاکت میں پڑیگا۔ یہ سب اس کو مفلسی کا طعنہ دینگے۔ اور ایسے ایسے کاموں کی اس کو زحمت دینگے کہ جن کی اس میں قطعی استطاعت نہیں۔ پھر یہ مجبور ہوکر ایسے راستوں پر

یذھب فیما دینہ فیھلک[1] — گامزن ہوگا اور ایسا وتیرہ اختیار کریگا کہ جن میں اس کے دین کی بربادی ہوگی

ایک اور حدیث میں ہے :

قلۃ العیال احد الیسارین وکثرتھم احد الفقرین[2] — اہل وعیال کی قلت دو آسانیوں میں ایک آسانی ہے اور کثرت دین ودنیا کے فقر واحتیاج میں کی ایک احتیاج ہے۔

ابو سلیمان الدارانی سے کسی نے پوچھا نکاح کے معاملہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے جو جواب دیا اس سے اس گروہ کے خیالات کی پوری پوری ترجمانی ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا:

الصبر عنھن خیر من الصبر علیھن۔ — بیوی کے بغیر جو صبر وبرداشت ہے وہ اس صبر وبرداشت سے کہیں بہتر جو بیوی پاکر کیا جائے۔

انہیں کا ایک قول ہے :

الوحید یجد من حلاوۃ العمل وفراغ القلب مالا یجد المتاھل۔ — ایک مجرد کو عمل کا جو لطف اور قلب کا جو فراغ حاصل ہے وہ متاہل کو حاصل نہیں۔

کچھ حضرات نے ترک نکاح کی ایک دوسری توجیہ بیان کی ہے۔ بشر سے کسی نے کہا کہ لوگ آپ کے تجرد پر معترض ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ اس طرح ترک سنت لازم آتا ہے۔ انہوں نے جواب میں کہا:

قولوا لھم ھو مشغول بالفرض عن السنۃ۔ — ان لوگوں سے کہہ دو کہ اس کے سامنے کچھ فرائض ہیں جنکی بجاآوری میں وہ اس درجہ مشغول ہے کہ سنت کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

ترغیب وترہیب کے ان دو پہلوؤں کی وضاحت کے بعد اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے فوائد پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ فوائد پانچ ہیں۔ (۱) اولاد (۲) کسر شہوت (۳) تدبیر منزل (۴) کثرت عشیرہ اور (۵) حقوق وفرائض کے سلسلہ میں مجاہدہ نفس۔

جہاں تک اولاد کا تعلق ہے یہ کہنا چاہئے کہ نکاح کے باب میں اسی کو اصل واساس کی حیثیت حاصل ہے اور اسی کے لئے نکاح کا نظام شرائع نے پیش کیا ہے کیونکہ اس سے بقاء نوع انسانی کے اصول کی تائید ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے اس دنیا کی رونق اور چہل پہل قائم ہے۔ اگر نسل انسانی باقی ہے تو اس ربع مسکون کی تمدنی وروحانی اقدار کا وجود بھی ممکن ہے۔ اور اگر خدا نخواستہ نوعِ انسانی ہی ختم ہو جاتی ہے تو تہذیب اور اس کی اعلیٰ قدروں کے تحفظ کا سوال ہی

---

[1] بیہقی وخطابی [2] مسند فردوس۔ مسند شہاب۔

پیدا نہیں ہوتا۔

اس میں شبہ نہیں کہ اگر اللہ تعالٰے چاہتا، تو بغیر رشتہ ازدواج کے توسل کے انسانوں کو پیدا کر دے سکتا تھا۔ مگر اس کی حکمت و قدرت نے یہ چاہا نہیں اور یہ پسند نہیں فرمایا کہ اسباب و مسببات کے سلسلہ کو بے کار کر دیا جائے۔ اس لئے اس نے انسانی تخلیق کے لئے مرد و عورت میں ایک خاص قسم کا عضوی ڈھانچہ تیار کیا۔ اور اسی ڈھانچہ کا تقاضا ہے کہ ان میں شہوت اور محبت جنسی ایسے میلانات پیدا کئے۔ اس میں یہ راز پنہاں ہے کہ یہی جذبات یہی محبت اور جنسی کشش دونوں کو مجبور کرتی ہے کہ نوعِ انسانی کی بقا اور تحفظ کے لئے سرگرم سعی ہوں۔ اور اس غرض کی تکمیل کے لئے اپنی بہترین صلاحیتوں کو صرف کریں۔ ورنہ کون ایسا تھا کہ بغیر کسی لطف اندوزی کے اتنی بڑی کھکھیڑ کو برداشت کرتا۔ اللہ تعالٰی نے یہ کام اسی طرح انسانوں سے لیا ہے جس طرح ایک شکاری صیاد شکار کر پھانسنے اور پکڑنے کے لئے جال میں کچھ دانے بکھیر دیتا ہے۔ اور جانور دانوں کی لالچ میں جال میں گرتا ہے اور پکڑ لیا جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اللہ تعالٰے نے اس اہم ذمہ داری کو انسان کے کندھوں پر ڈال دینے کی نیت سے یہ تدبیر اختیار کی کہ میاں بیوی میں محبت و شوق کا جال بچھایا۔ اور شہوت و کشش جنسی کے اس میں دانے بکھیرے تاکہ یہ آپ سے آپ گرفتار ہو جائے۔ اور بال بچوں کی زنجیر میں جکڑا جائے۔

بقائے نسل کا یہ اصول کس درجہ واضح ہے۔ اس کو جاننے کے لئے الفاظ و حروف کی سند درکار نہیں۔ خود انسانی جسم اور زندگی کی ایک ایک جزئی بکار بکار کر اس کی صراحت کر رہی ہے۔ مرد و عورت میں تفریق کیوں ہے۔ دونوں کے عضوی ڈھانچے کیوں مختلف ہیں۔ رحم کیا ہے۔ یہ مستودع و مستقر کیا ہے کہ جس میں جنین پرورش پاتا ہے اور تکمیل و اتمام کی منزلیں طے کرتا ہے۔ اور دونوں پر تقاضائے شہوت و محبت کا استیلاء کس غرض سے ہے۔ یہ تمام آلات و افعال اللہ تعالٰے کے اس مقصد کی غمازی کر رہے ہیں۔ کہ جس کے لئے ان سب تفریقات کو پیدا کیا گیا۔

اب جو شخص اس سے اعراض کرتا ہے، وہ گویا اس مقصد کی مخالفت کرتا ہے جو اللہ تعالٰے کا مقرر کردہ مقصد ہے اسکی مثال اس شخص سے ہرگز مختلف نہیں کہ جس کو اس کے مالک نے زمین دی، آلاتِ زراعت بخشے، اور بیج دیا تاکہ وہ کھیتی باڑی کا فرض انجام دے اور زمین کی روئیدگی اور آبادکاری میں اضافہ کرے۔ مگر وہ ان رعائتوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھائے اور زمین کی آبادکاری کے سلسلہ میں کوئی کوشش نہ کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ شخص مجرم ہے۔ ٹھیک اسی طرح وہ شخص بھی مجرم ہے کہ جن کو اللہ تعالٰے نے نوعِ انسانی کے بڑھانے کے جملہ وسائل و ذرائع بخشے ہیں مگر وہ ان کو کام میں نہیں لاتا۔

ممکن ہے اس اصول پر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیاتِ انسانی کو برقرار رکھنا عند اللہ ایک محبوب فعل ہے اور اُسے ختم کرڈالنا اللہ تعالٰے کو پسند نہیں۔ مگر پھر اس میں کیا بھید ہے کہ خود اللہ تعالٰی نے موت و فنا کے سلسلہ کو پیدا کر رکھا ہے؟ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ موت و حیات عند اللہ دونوں برابر ہیں۔ اور ان میں کا کوئی بھی محبوب و مکروہ نہیں۔

ہم کہیں گے کہ یہ ایسا کلمہ حق ہے جس سے کہ باطل کی تائید مقصود ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ انسانی ارادہ اور الٰہی ارادہ میں کوئی وجہ مماثلت نہیں۔ اللہ تعالےٰ کا ارادہ اور چیز ہے اور اس کا فعل اور چیز۔ ہمارے ارادہ وعمل میں تو توافق کا ہونا ضروری ہے مگر اللہ تعالےٰ کی ذات گرامی کے لئے اس توافق کی حاجت نہیں۔ معاصی اس کے ہاں ناپسندیدہ ہیں۔ مگر مراد نہیں۔ کفر پر اس کی ذات کبھی خوش نہیں ہوتی۔

لا یرضیٰ لعبادہ الکفر۔ اور وہ اپنے بندوں کیلئے کفر پسند نہیں کرتا۔

مگر عالم ارادہ وخلق میں اس کا بھی وجود روا ہے۔ یہی معاملہ موت وحیات کا ہے۔ زندگی اس کو پسند ہے اور اس کا بھی وجود ہے، اور موت و ہلاکت اور فنا وعدم اُس کے نزدیک ہرگز پسندیدہ نہیں تب بھی اس کے ارادہ اور مشیت سے اس کا تعلق قائم ہے۔ یہ مسئلہ حد درجہ نازک ہے اور اس سے بھی زیادہ وضاحت چاہتا ہے۔ مگر یہ مقام اس کے لئے موزوں نہیں۔ کیونکہ اس کا حقیقی تعلق علم المکاشفہ سے ہے۔ اور ہم علم المعاملہ سے بحث کر رہے ہیں۔ اس لئے اسی اختصار پر اکتفا کیجئے۔ اور اس حقیقت پر یقین رکھئے کہ جو شخص اس اساس اور اصول کی حمایت کرتا ہے، اور نظام مناکحت کی مخالفت نہیں کرتا۔ وہ توحیات و بقا کے تقاضوں کی تائید کرتا ہے۔ اور جو انکار کرتا ہے وہ گویا اس وجود اور سلسلہ حیات کی مخالفت کرتا ہے۔ جو از آدم تا ایندم چلا آ رہا ہے۔

نکاح کا دوسرا فائدہ شیطان سے بچاؤ ہے، خواہشاتِ نفس کی بے راہ روی سے اجتناب ہے، اور شہوات کے زور کو توڑتا ہے اس سے حفظِ بصر کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ اور عفاف و پاکیزگی کی دولت سے انسان مالا مال ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف آنحضرت نے اشارہ کیا:

من نکح فقد حصن نصف دینہ فلیتق اللہ فی الشطر الاخر۔ جس نے ازدواجی زندگی اختیار کی اس نے اپنا آدھا دین بچالیا۔ اب اُسے چاہئے کہ باقی آدھے کے بارہ میں اللہ سے ڈرے۔

نکاح کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ انسان اس کی وجہ سے تدبیر منزل کی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہو جاتا ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے کاموں کی جانب سے اپنے کو فارغ و یکسو محسوس کرتا ہے۔ اور اس لائق ہو جاتا ہے کہ مہمات امور کے لئے وقت نکال سکے ورنہ اسے خود گھر کی صفائی کا انتظام کرنا پڑے۔ خود برتن مانجے۔ گھر کا کوڑا کرکٹ صاف کرے اور دیگر ضروریات کا اہتمام کرے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پڑھنے لکھنے اور عمل کے لئے اس کے پاس نہ تو کافی وقت بچے گا اور نہ اتنی مقدرت اور توانائی کہ سب کاموں کو انجام دے سکے۔ حضرت سلیمان الدارانی نے جو یہ فرمایا کہ صالح اور نیک بخت بیوی دنیا کے قبیل سے نہیں ہے۔ تو اس کا یہی مطلب تھا کہ اس کی وجہ سے اتنا وقت اور قوت و مقدرت بچ رہتی ہے، کہ انسان دین کے بڑے بڑے تقاضوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتا ہے۔ اسی مفہوم کو آں حضرت نے ایک حدیث میں یوں ادا فرمایا ہے:

لیتخذ احدکم قلبًا شاکرًا و لسانًا ذاکرًا و زوجۃ مؤمنۃ صالحۃ تعینہ علی آخرتہٖ۔

تم میں سے ہر ایک کو چاہیئے کہ قلب ایسا رکھے جو شکر گذار ہو اور زبان ایسی کہ اس کو یاد میں لذت محسوس کرے اور بیوی وہ نیک اور صالح جو آخرت کے سلسلہ میں معین و مددگار ہو۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ نکاح سے مختلف عشائر و قبائل سے تعلقات استوار ہوتے ہیں اور انسان کی قوت و حیثیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

پانچواں فائدہ زیادہ اہم ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب انسان اہل و عیال بچوں کی زندگی بسر کرے گا تو لامحالہ اس کو ان سے شکائتیں بھی پیدا ہونگی۔ ان سے اذیتیں بھی پہنچیں گی۔ اور ان کے لئے اکل حلال کا سامان بھی کیا جانا ہوگا۔ اس کے حصول کے لئے دشواریاں بھی پیش آئیں گی۔ غرض کہ جو شخص شکائتوں اور اذیتوں کے مقابلہ میں عمل و برداشت سے کام لیتا ہے۔ اور ان کی تادیب و اصلاح کی فکر میں برابر لگا رہتا ہے۔ ان کی تربیت اخلاقی کے فریضہ کو باحسن وجہ پورا کرتا ہے اور گھبراتا نہیں۔ مزید برآں کسب حلال سے ان کا پیٹ بھرتا ہے۔ اور حرام کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھتا تو اس کے ان اعمال جمیلہ کی فضیلت سے کون انکار کر سکتا ہے؟

یہی وہ بات ہے جس کی طرف آنحضرت نے اشارہ فرمایا:

یوم من والٍ عادلٍ افضل من عبادۃ سبعین سنۃ، ثم قال الا کلکم راعٍ و کلکم مسئول عن رعیتہٖ۔[1]

والی عادل کا ایک دن عابد و زاہد کے ستر سال پر بھاری ہے۔ پھر فرمایا تم میں کا ہر ایک راعی اور والی ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کے دائرہ اثر کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔

وجہ فضیلت ظاہر ہے۔ یہ متاہل و عیالدار ایسا شخص ہے کہ جس نے اپنی اصلاح بھی کی اور غیر کی اصلاح کے درپے بھی ہوا۔ پھر اس نے اصلاح کی راہ میں مشکلات کا سامنا بھی کیا۔ اور اس کو اگرچہ تکلیفیں بھی پہنچیں مگر اس نے ان سب کو بخندہ پیشانی گوارا کیا۔ بخلاف ایسے شخص کے کہ جو ان جھمیلوں سے یکسر آزاد رہا۔ جس نے دنیاداری کے خارزار میں قدم نہیں دھرا اور لطف و اذیت سے آشنا نہیں ہوا۔ یہ دونوں کسی طور سے بھی اجر و ثواب کے لحاظ سے برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی نکتہ دلنواز کو بشر نے محسوس کیا اور کہا:

فضل علی احمد بثلاث احدھا انہ یطلب الحلال لنفسہٖ ولغیرہٖ۔

امام احمد بن حنبل کو مجھ پر تین وجوہ سے فضیلت حاصل ہے جن میں ایک یہ ہے کہ وہ اپنے لئے ہی نہیں اپنے بال بچوں کے لئے بھی حلال کی روزی تلاش کرتا ہے۔

---

[1] طبرانی و بیہقی۔

اور اسی حقیقت کو عبداللہ بن المبارک کی چشم معرفت نے دیکھا یہ ایک غزوہ میں شریک تھے، اپنے ساتھیوں سے فرمایا جانتے ہو جہاد سے بھی بہتر کونسا عمل ہے۔ کہنے لگے جی نہیں! فرمایا:

رجل متعفف ذو عائلة قام من الليل	ایک ایسا پاکباز جو عیالدار ہو، رات کو بیدار ہو اور دیکھے کہ اس کے ننھے
فنظر الى صبيانه نياماً متكشفين فسترهم	ننھے بچوں پر سے چادر یا لحاف سرک گیا ہے، یہ آگے بڑھے اور اپنی چادر سے
وغطاهم بثوبه فعمله افضل مما نحن فيه.	ان کو ڈھانپ دے تو اس کا یہ فعل ہمارے اس مشغلہ سے بھی بہتر ہے۔

ان تصریحات سے اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے کہ ہر ہر شخص ان فوائد سے اپنا دامنِ عمل بھر سکتا ہے نہیں ان سے صرف دو ہی قسم کے حضرات کو نفع پہنچ سکتا ہے۔ یا تو ایسے شخص کو جو مجاہدہ و ریاضت کی ابتدائی منازل میں اور تزئین اخلاق کا طالب ہے۔ یہ جب بال بچوں میں لگے گا اور ان کے حقوق و فرائض کا اچھی طرح خیال رکھے گا تو بلا شبہ اس سے اس کی نفسی و اخلاقی حالت میں ترقی ہوگی۔ اور یہ اپنے میں ایک طرح کے تغیر کو محسوس کرے گا۔ یا پھر ایسا شخص ان فوائد سے لطف اندوز ہو سکتا ہے جس کی روحانی و عقلی سطح زیادہ مرتفع نہیں جس کو نہ تو سیر باطن کے مرحلے درپیش ہیں۔ نہ فکر کی پرواز و حرکت کا سامنا ہے۔ اور نہ اس کا قلب ایسا ہے کہ اس کو غوامض و حقائق سے کوئی دلچسپی ہو۔ ایسا شخص جب ان نیکیوں کے ساتھ ساتھ کسب حلال اور تربیت و اصلاح کے فرائض کو بھی شامل کرے گا۔ اور بال بچوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کی ذمہ داریوں کو بھی قبول کرے گا۔ تو اس کے محامد و فضائل کے کیا کہنے مگر یہ ایسے شخص کی برابری کب کر سکتا ہے جو بالطبع نیک ہے، اور خلقی و فطری طور سے پاکباز ہے۔ یا جسنے مجاہدہ و ریاضت سے اپنے نفس کو صیقل کر لیا ہے۔ اور اس کے پہلو بہ پہلو سیر باطن میں بھی مصروف ہے، اور اس کا قلب و فکر علوم و مکاشفات کی حیرت زائیوں کا شکار بھی ہے یہ شخص اگر شادی کرے گا۔ تو اپنے اس لطف کو کھو دیگا۔ اور اخلاق و تربیت کے فوائد جو پہلے سے اس کو حاصل ہیں ان پر کوئی اضافہ نہیں کر سکے گا۔ لہٰذا اس کے لئے یہی بہتر ہے کہ علم و ادراک کے دائروں کو وسعت دیتا رہے۔ کہ یہ مجرد عمل و سعی پر اس لحاظ سے فضیلت رکھتا ہے کہ یہ علم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک گرانقدر عمل بھی ہے۔

یہاں تک تو نکاح کے فوائد کی بحث تھی اب فوائد اور مفاسد کی تفصیل پر غور کیجئے:

پہلا مفسدہ [illegible] ایک متاہل اور شادی شدہ شخص کا تعلق چونکہ اپنے علاوہ بیوی اور بچوں کی تربیت اور نگرانی سے بھی ہے۔ اس لئے مجبور ہے کہ طلب معاش کے دائروں کو وسیع کرے، اور اتنا بہ حلال مال اکٹھا کرے جو ان کی جملہ ضروریات کے لئے کافی ہو۔ یہ زمانہ ظاہر ہے ایسا نہیں ہے کہ کوئی شخص بھی حرام سے تعرض کئے بغیر دولت و ثروت کے وسائل پر قابض ہو سکے۔ اس لئے اسے چار و ناچار حرام کی ان کوششوں میں شریک ہونا پڑے گا۔ اور بال بچوں کا پیٹ بھرنے اور ان کی ضروریات پورا کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ کی حدود کو

توڑنا پڑے گا۔ بخلاف ایک مجرد کے کہ اس کا دائرہ طلب وجستجو چونکہ محدود ہے اس کی خواہشات گنی چنی ہیں۔ لہٰذا اس کے لئے ممکن ہے کہ عفت و پاکبازی کے معیاروں کو قائم رکھ سکے۔

اس آفت اور خطرہ ہلاکت سے وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے کہ جس نے باپ دادا کی خاص جائداد وراثت میں پائی ہو۔ یا کوئی فن جیسے شکار یا جنگل سے لکڑی کاٹ لینا وغیرہ آتا ہو۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سلاطین اور امراء سے اس کو سابقہ نہ پڑا ہو۔ دوسرا کوئی شخص آسانی سے اکل حلال کی نعمت سے بہرہ مند نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان صورتوں میں بھی حلال کی روزی اس وقت میسر ہوتی ہے۔ جب حرص و آز کا دامن سمٹا رہے۔ اور انسان قانع ہو طماع اور حریص نہ ہو۔ اسی بنا پر ابن سالم رحمہ اللہ سے جب پوچھا گیا کہ نکاح سے متعلق آپ کی کیا رائے ہے تو آپ نے فرمایا:

هذا لمن ادرکه شبق غالب . . . نکاح تو اس کے لئے روا ہے جو شدید جنسی خواہش رکھتا ہو لیکن اگر

فان ملک نفسه فترکه اولیٰ۔ کوئی صبر و برداشت پر قادر ہے تو نکاح سے باز رہنا ہی اولیٰ ہے۔

نکاح میں دوسرا خطرہ تربیت و اصلاح کی ذمہ داریوں سے عہدہ برا نہ ہونا ہے۔ یعنی ایک شخص اگر تنہا اور مجرد ہے۔ تو صرف اپنے ہی احوال اور محاسبہ نفس سے دوچار ہے اور صرف اسی حد تک عند اللہ مکلف ہے کہ اپنی اصلاح کرے۔ اور اپنی بصیرت و روح کو پاکیزہ رکھے۔ جو نسبتہً آسان ہے۔ لیکن اگر بال بچوں کی علت پالنا ہے تو اس کو اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ ان کی اصلاح و تربیت کے فرائض کو بھی پورا کرنا ہوگا۔ اور یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کہیں جن لوگوں کی رہنمائی اور دیکھ بھال اس کے ذمہ ہے وہ تو بہک نہیں رہے ہیں۔ اور ان کے پائے عمل میں تو لغزش نہیں پیدا ہوئی ہے۔ حدیث میں ہے:

کفیٰ بالمرء اثما ان یضیع من یعول۔ ایک شخص کے گناہ گار ہونے کے لئے یہی کیا کم ہے کہ جن کی کفالت ان کے ذمہ تھی اس نے انہی کو کھو دیا۔

قرآن حکیم نے تربیت و اصلاح کی ذمہ داریوں کو ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے:

قوا انفسکم و اهلیکم نارا۔ اپنے کو اور اپنے اہل و عیال جہنم کی آگ سے بچاؤ

علاوہ ازیں نکاح میں ضرر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اپنی اصلاح تو کجا بڑے بڑوں کو سلاطین و امراء کے در دولت پر حاضری دینا پڑتی ہے۔ اور ان کی خوشامد کرنا پڑتی ہے چنانچہ سفیان بن عیینہ سے متعلق مشہور ہے کہ ایک مرتبہ باوجود جلالتِ قدر اور تقوے کے ان کو بھی سلطان کے دروازہ جود و سخا پر دستک دینا پڑی کسی نے پوچھ لیا کہ حضرت آپ یہاں کہاں۔ فرمایا:

وهل رایت ذا عیال افلح۔ میں کس شمار میں ہوں کبھی کسی متاہل اور عیالدار کو دیکھا ہے کہ ان منزلوں سے سرخروئی اور کامیابی کے ساتھ گزر جائے۔

نکاح اور تاہل سے یہ جو ضرر پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو طرح طرح کی آزمائشوں سے گذرنا پڑتا ہے ناقابلِ انکار ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ کوئی شخص آزمائش کی اس بھٹی میں پڑنے کی وجہ سے اپنے کو لغزش و معصیت کے ارتکاب سے محفوظ ہی نہیں رکھ سکتا۔ بس ایسا شخص جو عقل مند ہے اور بال بچوں سے حکیمانہ برتاؤ کرنا جانتا ہے۔ یقیناً ان آزمائشوں میں بہ کامیابی و کامرانی [illegible] اگر اس کو عورتوں کی عادات کا اچھی طرح علم ہے۔ اگر وہ ان کے مطالبات اور زیادتیوں و درازیوں پر [illegible] ملتا ہے۔ مگر اس کے لئے ان کی ہر ہر خواہش کے سامنے جھکنا ضروری نہیں۔ اور وہ اس لائق ہے کہ ان کے حقوق کو پوری طرح ادا کر سکے [illegible] بیویوں کا [illegible] ادا کر سکے۔ اور ان کی اخلاقی عالت کو سنوار سکے تو بلاشبہ نکاح اور تاہل اس کے لئے باعث [illegible] ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بات عوام کے بارہ میں تو نہیں کہی جا سکتی۔ کیونکہ ان پر کم عقلی، بے وقوفی اور رغبت و غضب بہرحال مسلّط ہوتا ہے۔ وہ بہ نہایت آسانی سے انصاف و عدل سے محبت رکھنے کے باوجود بے انصافی اور ظلم و جور کا شکار ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اس امکان کے رہتے ہوئے [illegible] کے بعد بھی کہ کوئی شخص نکاح و تاہل کے مقاصد و عوائل سے اپنے کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ عمومی اور عمومی طور پر اس کی مضرتوں سے اپنے کو بچائے رکھنا آسان نہیں۔

نکاح کے عوائل و آفات میں تیسرا اور سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالےٰ کے ساتھ انسان کا ذکر و محبت اور تعلق و اتصال کا جو رشتہ ہے وہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اور روحانی ارتقاء کے سلسلہ میں اچھی خاصی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ جس نسبت سے یہ تدبیرِ معاش کی الجھنوں کی طرف متوجہ ہوگا، بال بچوں کی سہولت و آسائش کا خیال رکھیگا۔ اور ان کے لئے [illegible] اعلیٰ معیارِ زندگی قائم رکھنے کے درپے ہوگا۔ اسی نسبت سے مال سے محبت بڑھے گی۔ اور جمع کرنے اور دولت سمیٹنے کا جنون اور روز افزوں ترقی کریگا جس کا فطری و لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ دنیا کی محبت و جذب، خدا کی محبت و جذب پر غالب آجائے گی۔ اور یہ کوشش اور مساعی اس کے پائے ارتقاء کی زنجیریں بن جائیں گی۔ اور یہ تیز رفتاری اور یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف نہیں بڑھ پائے گا۔ ہم نہیں کہتے، کہ اس طرح کی کوششوں سے یہ ضرور کسی محظور کا مرتکب ہو کر رہے گا لیکن اتنا تو بہرحال تسلیم کرنا ہی پڑیگا۔ کہ اس کی حرص و آز کی گاڑیاں صرف مباح اور جائز پر جا کر رک نہیں جائیں گی بلکہ تنعم و اسراف اور مبالغہ و غلو کی آخری حدود تک پہنچ کر رہیں گی۔

اور اگر یہ شخص فتنہ حرام سے بچ بھی جائے۔ اور دولت و ثروت جمع کرنے کی دھن اس پر سوار نہ بھی ہو جب بھی بیوی سے محبت تو بڑھے گی۔ اس کو خوش رکھنے کے مواقع تو پیدا ہونگے۔ اور موانست یا بوس و کنار اور لطف اندوزی کی رنگا رنگ صورتیں تو موجب صد کشش ہونگی۔ یعنی ایسی ایسی دلچسپیاں تو بہرحال ابھریں گی۔ جو قلب و ذہن کے تمام گوشوں پر چھا جائیں۔ اور دل کے کسی خانے کو بھی اس لائق نہ رہنے دیں۔ کہ آخرت کے بارہ میں غور و فکر ہو سکے اور اللہ کی محبت کے لئے ذکر و شغل کے اعمال و وظائف کو جاری رکھا جا سکے۔ ان حالات میں دن رات یہی خواہش رہے گی کہ کوئی موقع ملے اور تسکین نفس کا سامان مہیا کیا جائے۔ اسی نفس و خواہشات کی مجبوری پر ابراہیم ادہم رحمہ اللہ نے یہ

کہہ کر طنز کیا ہے:

من نعود اتخاذ النساء لم یجی منہ شیئ۔	جو شخص عورتوں کی رانوں پر رہا اور ہمیشہ اس لطف میں پڑ کر رہ گیا، اس سے روح و قلب کی ترقی کی کیا اُمید کی جا سکتی ہے؟

یہ ہے نکاح کے فوائد و غوائل کی پوری پوری تفصیل۔ اس سے معلوم ہوگا کہ یہ بہت مشکل ہے کہ کسی ایک شخص سے متعلق ہم علی الاطلاق اس کو مفید یا مہلک قرار دے سکیں۔ اس لئے کہ ہر شخص کی حالت مختلف ہے اور ہر شخص کی استعداد اور صلاحیتیں جدا جدا ہیں۔ ہاں یہ البتہ ممکن ہے کہ ان فوائد اور ان مضرتوں کو بطور اصول اور فیصلہ کن عنصر کے تسلیم کر لیا جائے اور پھر یہ دیکھا جائے کہ جو شخص تاہل و شادی کی ذمہ داریوں کو قبول کرنا چاہتا ہے، وہ کس حد تک فوائد سے بہرہ مند ہو سکتا ہے اور کس حد تک ان کی مضرتوں سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ اگر فوائد کا پلڑا بھاری ہو اور مضرات و غوائل کے اندیشے کم ہوں تو تاہل کی زندگی کو اختیار کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بلکہ بعض حالات میں افضل و اولیٰ ہے۔ لیکن اگر مضرتوں کا غلبہ اور فوائد کو سمیٹنے کی اُمید کم ہو تب پرہیز اولیٰ ہے۔ مگر یہ چیز ہر شخص کی اپنی صوابدید پر موقوف ہے دوسروں کے طے کرنے کی نہیں۔ مثلاً اگر ایک شخص جوان ہے۔ اور تسکین جذبات کا خواہاں ہے، اور چاہتا یہ ہے کہ خواہشاتِ نفس کا غلط استعمال کسی صورت سے نہ ہونا چاہیئے۔ علاوہ ازیں حرام حلال کی طرف سے بھی مطمئن ہے۔ اور برتاؤ اور معاملہ میں بھی اخلاق حسنہ کے معیاروں کا خیال رکھتا ہے۔ تو اس کے لئے نکاح کے افضل و بابرکت ہونے میں کیا شبہ ہے۔ لیکن اگر خطرات زیادہ ہیں۔ اور ایک شخص دیانت داری سے یہ سمجھتا ہے کہ اس جھمیلے میں پڑ کر یہ دنیا میں ترقی نہیں کر سکے گا، تو اس حالت میں عزوبت اور تجرد ہی اولیٰ ہے۔

نکاح کے یوں تو کئی فوائد اور کئی مہالک ہیں۔ مگر بہت بڑا فائدہ، تسکینِ جذبات اور حصولِ اولاد ہے۔ اور بہت بڑا مہلکہ کسبِ حرام کے امکانات اور تقرب و اتصال کے امکانات کی دوری ہے۔ اس لئے انہیں دو اصولوں کو موازنہ کے وقت سامنے رکھنا چاہیئے۔ اور اس نکتہ کا شدت سے خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ فائدہ سے مراد وہی فائدہ ہے کہ جو واقعی و حقیقی ہو موہوم اور فرضی نہ ہو۔ کیونکہ ایک شخص حصول اولاد کے لئے شادی کرنا چاہتا ہے جو موہوم ہے۔ تو دونوں طرح کے امکانات میں یہ بھی ممکن ہے کہ اولاد اس کی قسمت میں ہو۔ اور یہ بھی کہ اس نعمت سے محروم رہے۔ اس بنا پر اس چیز کی طرف سے اچھی طرح اطمینان کر لینا چاہیئے۔ کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اولاد کی توقع پر حقیقی خسارہ کو مول لے رہا ہے۔

اس مرحلہ پر قدرتاً یہ سوال غور و فکر کی سطح پر اُبھریگا۔ کہ اگر کوئی شخص نکاح کی ان تمام آفات سے محفوظ ہو اور ان غوائل و مہالک میں سے کوئی بھی اس کے ذہن و قلب کو مشوش کرنے والا نہ ہو۔ تب اس کے لئے نکاح و تاہل کی ذمہ داریوں کو قبول کرنا اولیٰ اور بہتر ہوگا یا یہ کہ یہ اپنے لئے ذکر و فکر اور تجرد و یکسوئی کو پسند کرے اور ان جھمیلوں میں مطلق نہ پڑے۔ ہم یہ کہیں گے کہ ہو سکے تو نکاح و تجرد دونوں کو جمع کرے۔ اور دونوں کے فوائد و برکات سے متمتع ہو۔ کیونکہ درحقیقت انمیں

کوئی تضاد یا ان بن نہیں۔ نکاح و تاہل میں سب سے بڑا مفسدہ کسبِ حرام ہی کا تو ہے۔ یقیناً اس سے روح کی پاکیزگی متاثر ہوتی ہے۔ اور سالک اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہو جاتا ہے۔ مگر کیا ضرور ہے کہ ہر شخص جو شادی شدہ ہو حلال کی روزی سے محروم ہی ہو۔

دوسری برائی یا سب سے بڑا مہلکہ یہ ہے کہ حصولِ معاش کا مسئلہ ایک متاہل اور عیالدار کے تمام اوقات پر بُری طرح چھا جاتا ہے۔ اور کوئی وقت اور لمحہ بھی تو ایسا نہیں چھوڑتا کہ جس میں اخلاص و یکسوئی کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکے۔ اور خلوت و انزوا کے لطائف سے دامنِ طلب بھر سکے۔ اس امکان و خدشے کی اہمیت سے انکار نہیں۔ مگر نیت و ہمت شرط ہے۔ کیا پوری رات عبادت و فکر کے لئے کافی نہیں۔ اور اگر شوق و طلب کے داعیے موجود ہوں، تو کیا دن کے مختلف لمحوں اور فرصتوں سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

اس سلسلے میں ایک نہایت ہی ضروری سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان دونوں کیفیتوں کا جمع کرنا ہی افضل ہے تو حضرت عیسیٰ اس فضیلت سے کیوں محروم رہے، حالانکہ وہ اللہ کے پیغمبر اور فرستادہ تھے۔ اور اگر تجلی و تجرد اولیٰ ہے، نکاح نہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں نو نو بیویوں کو بیک وقت اپنے حرم میں رکھا؟

دو لفظوں میں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دو مختلف مقام ہیں۔ آنحضرت کی ہمتِ عالی اور قدرت و استطاعت کی بلندی کا یہ عالم تھا۔ کہ یہ شواغل اور رکاوٹیں، ان کے داعیاتِ ذکر و فکر اور تقاضائے شوق و طلب میں کوئی ذہنی ضعف نہیں پیدا کر سکے۔ اور اس سے نہیں روک سکے کہ آپ فضائل و تاہل کے پہلو بہ پہلو عبادت و تجرد کے لطائف سے بھی مالا مال ہوں۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ نو نو بیویوں کے باوجود آنحضرت جب رات کو اٹھتے اور عبادت کے لئے کھڑے ہوتے تو پاؤں متورم ہو ہو جاتے۔ مگر شوق اور لطف و ذوق کی کیفیتوں میں کمی نہ آتی۔

[illegible] بات [illegible] حضرت عیسیٰ نے نکاح و تاہل سے کیوں گریز کیا۔ تو یہ اس لئے کہ مقامِ حزم و احتیاط کا یہی تقاضا تھا [illegible] حالات ایسے تھے [illegible] کا شادی نہ کرنا ہی اولیٰ اور بہتر تھا۔ اس باب میں یہ اصول یاد رکھنے کا ہے کہ جب [illegible] ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ نکاح و تجرد کا مسئلہ سراسر حالات کے اختلاف کے ساتھ وابستہ ہے [illegible] اور ان دونوں میں کسی سے متعلق بھی علی الاطلاق کچھ کہنا مشکل ہے۔ تو اس صورت میں [illegible] یہ تاویل کرنا چاہیئے کہ جو برمحل ہو اور جس سے کہ ان کی بزرگی اور فضیلت میں کوئی [illegible] نہ آئے [illegible] کیونکہ بحیثیت مسلمان کے ہمارا یہی فرض ہے کہ ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کے احوال و اعمال [illegible] کے لئے اعلیٰ اور بہتر محمل تلاش کریں۔ اور یہ نہ سمجھیں کہ معاذ اللہ انہوں نے کوئی کام بھی ادنیٰ محرکات سے متاثر ہو کر کیا یا کوئی قدم بھی اللہ کی رضا کے خلاف اٹھایا ہے۔